صلح کی اہمیت اور شرائط
نہج البلاغہ کی روشنی میں ایک مطالعہ

ڈاکٹر روشن علی*
roshanali007@yahoo.com
ڈاکٹر کرم حسین ودھو†

کلیدی کلمات: صلح، وعدہ، وفائے عہد، ہوشیاری، دوراندیشی، دوست، دشمن، غفلت، مکاری۔

خلاصہ

اسلام کے سیاسی اور اجتماعی نظام میں قابل بحث مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مخالفین سے صلح و تفاہم اور اس کی شرائط نیز صلح کے مختلف پہلوؤں اور دائرۂ کار کا مسئلہ ہے۔ اسلام اگرچہ مخالفین کے مقابل اپنا قطعی سیاسی واعتقادی موقف رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام اپنے مخالفین کے ساتھ صلح پسند پڑوسی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ ہم اس مقالہ میں حضرت علی علیہ السلام کے کلام نہج البلاغہ کی روشنی میں صلح کی ضرورت، اہمیت اور اس کی شرائط کو واضح کریں گے کہ آیا صلح صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے تاکہ صلح کے ذریعے ملک اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔ جب صلح کی جائے تو اس کی پاسداری کرنا اور وعدہ وفا کرنا بھی لازمی وضروری ہوتا ہے، کیونکہ اس کو توڑنا ایک ایسا گناہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ پر جرائت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر اسلام آباد، ماڈل کالج برائے طلبہ، F-10/3، اسلام آباد۔
† ۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر؛ ڈائریکٹر ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز (لاڑکانہ)

مقدمہ

انسانی تاریخ میں جینے اور جینے دینے یا مرنے اور مارنے کے لئے صلح اور جنگ نے انسانوں کو ہمیشہ باہمی آویزشوں سے دوچار کیا ہے، لیکن صلح وآشتی کی زندگی گذارنا، زندگی کو دوام بخشنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ انسان کا مقصد بھی رہا ہے، جس نے انسان کو کم از کم یہ فرصت عطا کی کہ وہ باہمی تلخیوں اور قتل وغارت سے اپنا دامن بچا کر کچھ وقت امن وسکون سے گزار سکے۔ اسی لئے صلح روز اول سے اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اسی طرح تاریخ گواہ ہے کہ اوائل اسلام میں جو جنگیں لڑی گئ تھیں وہ مسلمانوں پر مسلط کی گئیں تھیں۔ چونکہ جب دشمن حملہ کر دے اور نابود کرنے کے در پے ہو تو ایسے حالات میں اسلام اپنے دفاع کے لئے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ ایسی ہی جنگیں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں وقوع پزیر ہوئیں، جنہیں دفاعی جنگوں کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اسی حضرت علی علیہ السلام پر بھی جنگیں مسلط کی گئ تھیں، جن پر امام علیہ السلام کی حکومت کی بہت سی توانائیاں اور وقت صرف ہوا ہے۔ چاہے وہ جنگ جمل ہو یا صفین یا نہروان، ان سب جنگوں میں مسلمانوں کا بہت بڑا قیمتی سرمایہ اور جانیں قربان ہوئی ہیں۔ اسلام تو جنگ میں بھی محدودیت کا قائل ہے۔ اگر جنگ میں دشمن مسلمانوں کا مثلہ کرے تو بھی مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دشمن کا مثلہ کریں۔ اگر دشمن جنگ میں اسیروں کو بھوکا پیاسا رکھے تو اس کے مقابل لشکرِ اسلام کو اجازت نہیں کہ وہ ایسا کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نبی کریم ﷺ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه و آله إِذَا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ سَرِيَّةً دَعَاهُمْ فَأَجْلَسَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ سِيرُوا بِسْمِ اللَّهِ وَ بِاللَّهِ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ عَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ لَا تَغُلُّوا وَ لَا تُمَثِّلُوا وَ لَا تَغْدِرُوا وَ لَا تَقْتُلُوا شَيْخاً فَانِياً وَ لَا صَبِيّاً وَ لَا امْرَأَةً وَ لَا تَقْطَعُوا شَجَراً إِلَّا أَنْ تُضْطَرُّوا إِلَيْهَا ۔۔۔ الخ۔(1)

یعنی: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ جب کسی جنگی مہم پر کسی کو روانہ کرتے تھے تو اس کو اپنے پاس بلاتے تھے اور اپنے سامنے بٹھاتے تھے، پھر اُسے ارشاد فرماتے تھے کہ روانہ ہو جاؤ اللہ کے نام سے، اللہ کی خاطر، فی سبیل اللہ اور رسول اللہ کے دین پر۔ (پھر فرماتے تھے) کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا، کسی کا مثلہ نہ کرنا، کسی کے ساتھ غداری اور دھوکہ بازی نہ کرنا، کسی بوڑھے آدمی کو قتل نہ کرنا، نہ بچے کو اور نہ ہی کسی عورت کو قتل کرنا، درختوں کو نہ کاٹنا سوائے ایسی مجبوری کہ ان کو کاٹے بغیر رہا نا جاسکتا ہو۔۔۔"

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام اپنی وصیت میں فرماتے ہیں:
يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُلْفِيَنَّكُمْ تَخُوضُونَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ خَوْضاً تَقُولُونَ قُتِلَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَلَا لَا تَقْتُلُنَّ بِي إِلَّا قَاتِلِي انْظُرُوا إِذَا أَنَا مِتُّ مِنْ ضَرْبَتِهِ هَذِهِ فَاضْرِبُوهُ ضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ وَلَا تُمَثِّلُوا بِالرَّجُلِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ و آلہ يَقُولُ إِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُورِ۔ (2)
یعنی: " اے اولاد عبد المطلب مسلمانوں کا خون بہاتے نہ رہنا یہ کہتے ہوئے کہ امیر المؤمنین کو قتل کیا گیا ہے۔ دیکھو قصاص کے طور پر میرے قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کرنا۔ دیکھو جب میں اس ضربت سے فوت (شہید) ہو جاؤں تو میرے دشمن کو بھی ایک ضربت کے بدلے میں ایک ہی ضربت لگانا۔ اس کا مثلہ نہ کرنا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی کا مثلہ نہ کرنا چاہے وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

اس وصیت سے واضح ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام جنگ و جدال اور لڑائی جھگڑے سے روکتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ علیؑ کے شہید ہو جانے کے بعد ناحق لوگوں کو قتل کیا جائے بلکہ صرف قاتل ہی کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے۔ اور اس میں بھی امامؑ زیادتی سے روکتے ہیں کہ دشمن نے ایک ضربت لگائی ہے تو اس کو بھی ایک ہی ضربت لگائی جائے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ کاٹنے والے کتے کا مثلہ بھی نہ کیا جائے چہ جائیکہ میرے قاتل کا مثلہ کیا جائے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دشمن جس نے علی علیہ السلام جیسی عظیم ہستی کو ناحق قتل کیا ہے، امام علیہ السلام اس کے ساتھ بھی زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

صلح کا مفہوم

یہاں پر موضوع کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ صلح کے معانی بیان کئے جائیں۔ صلح عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی اور اصطلاحی معنی کچھ یوں ہیں:

لفظی: عربی لغت المنجد میں صلح کے لغوی معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں:

صلُح(ک)، صلَح(ف،ن)، صلوحاً و صلاحیة: درست و ٹھیک ہونا، خرابی کا دور ہونا۔

الصلح: سلامتی، رضامندی، درستی، قوم صلح و صلوح: آپس میں موافقت رکھنے والے لوگ۔ (3)

اسی طرح عربی لغت "فرہنگ بزرگ" جو عربی سے فارسی میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں صلح کے اس طرح معانی بیان ہوئے ہیں:

نفع و فایدہ، لیاقت و مناسب بودن، حسن و خوبی، استعداد و کفایت، رفع کاستی ہای کہ در کسی وجود داشتہ و آنزا رفع واز خود دور ساختہ خودش رااصلاح واکمال نماید، خوبی، خیر اندیشی وانجام عمل شایستہ، آسایش و نعمت، بسیار بودن و کثرت چیزی، آشتی و سازش، اتحاد و اتفاق، آتش بس و خود داری از جنگ، امنیت (4)

صلح کا مترادف لفظ سِلم ہے جس کے معنی ہیں: السِّلم: صلح کرنے والا، کہتے ہیں: انا سِلم لمن سالمنی و حرب لمن حاربنی۔ میں صلح کرنے والے کے لیے صلح جو ہوں اور جنگ کرنے والے کے لیے جنگ جو ہوں۔ سِلم و سَلم صلح کن قوم، سلامتی اسلام۔ (5)

اصطلاحی معنی

الصلحُ: هو رَفعُ الحربِ و المُخاصَمَات علی شروطٍ تُعرَفُ بشروطِ الصلحِ. او هو عقد یرفع النزاعَ یعنی: "صلح اصطلاح میں جنگ اور دیگر اختلافات و منازعات کو رفع کرنا، ایسی شرائط پر جن کو صلح کی شرائط سے متعارف کرایا یا یاد کیا جائے۔ یا صلح ایک ایسا عقد و پیمان ہے جس سے جنگ و جدال اور اختلافات کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔" یہ تعریف جنگ کے ساتھ تمام اختلافات میں صلح کو شامل ہے چاہے وہ اختلافات مالی و اقتصادی ہوں، سیاسی و سماجی ہوں، خاندانی و لسانی ہوں یا فقہی وغیرہ۔

نتیجہ یہ کہ صلح کے معانی درست و ٹھیک ہونا۔ خرابی کا دور ہونا، سلامتی، رضامندی، درستی، آپس میں موافقت، اتحاد و اتفاق، نفع و فائدہ، حسن و خوبی، جنگ سے ہاتھ اٹھالینا، کسی چیز کا کثرت سے ہونا، امن و آشتی، صلح جو ہونا وغیرہ ہے۔ اسی طرح جنگ اور دیگر اختلافات چاہی وہ فقہی ہوں، سیاسی ہوں، سماجی ہوں، اقتصادی وغیرہ ہوں، اس کے متعلق شرائط کے ساتھ ان کا خاتمہ کیاجائے تاکہ معاشرہ میں امن و سکون ہوجائے۔ صلح کی ضد فساد ہے پس یہاں پر ضروری ہے کہ فساد کے معانی بھی بیان کئے جائے تاکہ صلح مزید واضح ہو جائے کیونکہ ایک مقولہ ہے کہ چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں:

فساد کے لفظی معانی:

فساد کے لغوی معانی اس طرح بیان ہوئے ہیں: الفساد نقیض الصلاح۔تفاسد القوم تدابروا و قطعوا الا رحاما لحدب فی البر والقحط فی البحر ای فی المدن التی علی الانھار۔(6) یعنی: "فساد اصلاح (امن) کی ضد ہے۔ قوم کا فساد کرنا یعنی قوم کا ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدال (قتل و غارت گری) تخریبی تدابیر کرنا فساد کہلاتا ہے۔ گویا یہ فساد ایسا ہے جیسا کہ خشکی میں پانی کا فقدان، نہری زمینوں میں پیداوار کی قلّت (یعنی جن کی پیداوار کا دارومدار نہری پانی پر ہو کیونکہ پانی کا خشک ہونا قحط سالی کا باعث ہے) یہی فساد ہے۔" فساد کی ایک اور تعریف یوں بیان کی گئی ہے: الفساد اللھو و اللعب / اخذ المال ظلما(7) یعنی: "فساد لہو و لعب کو کہتے ہیں /ازبردستی کسی کا مال چھین لینا بھی فساد ہے۔" فساد کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: فساد الرجل: جاوز الصواب و الحکمة/الامور اضطرابت و ادرکھا الخلل(8) یعنی: "کسی شخص کا صحیح اور حق بات سے روگردانی کرنا فساد ہے۔کام کا بگڑ جانا اور اس میں خلل اندوزی فساد ہے۔/کسی کام میں ایسی خلل اندوزی اور بگاڑ جس سے کام سدھرنے کے بجائے بگڑ جاتے ہوں۔ کسی کام میں بگاڑ اور اضطراب فساد کہلاتا ہے۔"(9)

فساد کی اصطلاحی تعریف

فساد کی اصطلاحی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے: الفساد: خروج الشی عن الاعتدال قلیلا کان الخروج عنه او کثیر او یضاد الصلاح و یستمل ذالک فی النفس و البدن والاشیا الخارجة عن الاستقامة یقال فسد و فسادا و فسودا و افسده غیره(10) یعنی: "فساد کے معنی کسی چیز کے حد اعتدال سے تجاوز کر جانے کے ہیں قطع نظر اس سے کہ وہ تجاوز کم ہو یا زیادہ یہ اصل میں اصلاح کی ضد ہے اور نفس، بدن اور ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو حالت استقامت سے نکل چکی ہو اور افسدہ کے معنی کسی چیز کا توازن بگاڑنے کے ہیں۔"(11)

فاذا اطلق الصلاح تناول جمیع الخیر و کذالک الفساد یتناول جمیع الشر ---و کذالک اسم المصلح و المفسد۔(12) یعنی: "صلاح کا لفظ جب مطلق استعمال ہوتا ہے تو تمام خیر کو شامل ہوتا ہے اور فساد کا لفظ تمام برائیوں کو۔۔۔اسی طرح مصلح اور مفسد میں تمام معانی پائے جاتے ہیں۔"(13)

نتیجہ یہ کہ ہر اصلاح کی ضد کو فساد کہا جاتا ہے جیسا کہ قوم کا ایک دوسرے کے ساتھ جنگ و جدال کرنا، قتل و غارتگری، تخریب کاری، قطع رحمی، لہو و لعب، زبردستی یا غیر قانونی طور پر مال کا حاصل کرنا، کسی شخص کا حق بات ماننے سے انکار کرنا یا انسانی امور میں بگاڑ پیدا کرنا یا کسی کام کو بجائے سدھارنے کے بگاڑنا۔ گویا ہر اصلاح کے برعکس جو عمل ہے وہ فساد ہے چاہے یہ انفرادی ہو یا اجتماعی، کسی فرد کا ہو یا کسی قوم کا، فساد کہلاتا ہے۔(14)

صلح کرانے کی خاطر جھوٹ بولنا

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتی ہیں: لَیسَ الْکَذَابُ الَّذِیْ یَصْلُحُ بَیْنَ النَّاسِ فَیَنْبِیْ خَیْراً اَوْ یَقُوْلُ خَیْراً۔(15) یعنی: "جھوٹا وہ نہیں ہے جو لوگوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلہ کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے۔" اسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت مروی ہے: اَلْمُصْلِحُ لَیْسَ بِکَاذِبٍ۔(16) یعنی: "صلح کرانے والا جھوٹا نہیں ہے (اگر وہ صلح کرانے کے لیے کوئی جھوٹ بولے)۔"

صلح کی خاطر جنگ شروع کرنے میں تاخیر کرنا

میدان صفین میں حضرت علی علیہ السلام نے جب اذن جہاد دینے میں تاخیر کی تو آپؑ کے اصحاب نے بے چینی کا اظہار کیا کہ شاید امیر المومنینؑ شامیوں سے جنگ کرنے میں شک و شبہ کا شکار ہیں، تو آپ علیہ السلام نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: أَوَ أَمَّا قَوْلُکُمْ شَکّاً فِی أَهْلِ الشَّامِ فَوَاللّٰهِ مَا دَفَعْتُ الْحَرْبَ یَوْماً إِلَّا وَ أَنَا أَطْمَعُ أَنْ تَلْحَقَ بِی طَائِفَةٌ تَهْتَدِیَ بِی وَتَعْشُوَ إِلَی ضَوْئِی وَ ذٰلِكَ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ أَنْ أَقْتُلَهَا عَلَی ضَلَالِهَا وَإِنْ كَانَتْ تَبُوءُ بِآثَامِهَا۔(17)

یعنی: ''اس طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ مجھے اہلِ شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ شُبہ ہے تو خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی التوا میں نہیں ڈالا، مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے، اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے۔ اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے۔''

امیر المومنین علیہ السلام کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ صلح اور ہدایت کی خاطر جنگ کو کچھ دیر کے لیے موخر کیا جائے تاکہ ہدایت پانے والے راہ راست پر آکر ہدایت پاجائیں اور حق ان کے سامنے آجائے۔

صلح کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے اور اپنا نائب بنایا۔ اس کے ساتھ اس کی آزمائش کے لیے ایک عیار اور مکار دشمن شیطان کی صورت میں بھی بنایا، جو ہر وقت اس کو بہکاتا رہتا ہے اور آپس میں اختلافات اور لڑائی و جھگڑا کرواتا رہتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت یوں بیان ہوئی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ۔ (18)

یعنی: " اے ایمان والو! تم سب کے سب (دائرہ) امن وآشتی میں آجاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ صلح و صفائی سے رہنے کا حکم دییا ہے اور آپس میں اختلاف سے روکا ہےں اور اس کے ساتھ ایک عیار دشمن سے باخبر بھی کیا ہے کہ اس کی بات نہ مانیں کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے، جو تمہارے اپنے اندر دشمنیاں پیدا کراتا ہے۔ پس ان تمام اختلافات کو ختم کرنے کے لیے اور اپنے معاشرہ کو امن کا گہوارا بنانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ صلح و صفائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کبھی یہ اختلاف دو افراد کے درمیان ہوتے ہیں اور کبھی دو خاندانوں میں ہوتے ہیں اسی طرح دو گروہوں میں اختلاف ہو سکتے ہیں جن میں صلح کرانے کے لیے معاشرہ کے دیگر افراد کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت یوں بیان ہوئی ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْداهُما عَلَى الأُخْرى فَقاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُما بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (19)

یعنی: " اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو یقینا اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ جب بھی مومنین کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرائی جائے، اگر کوئی فریق صلح کے لیے تیار نہیں ہو رہا ہو تو اس صورت میں اس کو صلح کے لئے آمادہ کیا جائے اور اس کے ساتھ سختی کی جائے تاکہ وہ صلح کر لے۔ پس جب صلح کی جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔ پس ہر حال میں صلح و صفائی کے ساتھ زندگی بصر کی جائے اور متعلق امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

لوگوں کے درمیان صلح کرایا جائے جس کے نتیجے میں چھوٹے موٹے اختلافات ختم ہو جائیں۔ اس کے متعلق امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں: وَصَلَاحِ ذَاتِ بَيْنِكُمْ فَإِنِّي سَمِعْتُ جَدَّكُمَا صلی اللہ علیہ و آلہ يَقُولُ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ۔ (20) یعنی: "آپس میں صلح کیا کرو کیونکہ میں نے تمہارے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپس میں صلح و صفائی سے رہنا عام نماز اور روزے سے افضل ہے۔"

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ۔ (21) یعنی: "دو گروہوں میں صلح کرانا عام نماز و روزوں سے افضل ہے۔"

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے: عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: ''أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلَاةِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَهِيَ الْحَالِقَة''۔ (22) یعنی: "حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں روزے، نماز، اور صدقے سے بڑھ کر افضل درجات کے اعمال نہ بتاوں؟ انہوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ آپس میں میل جول کرا دینا ہے۔ اس لیے کہ آپس کی پھوٹ دین کو تباہ کر دینے والی خصلت ہے۔"

ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف ہلاکت و تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے لیکن صلح و صفائی امن و امان قائم ہوتا ہے اور معاشرہ پر سکون ہو جاتا ہے اسی لیے صلح کرانے کا درجہ اور فضیلت نماز و روزوں سے افضل ہے۔

پس ایک کامیاب سیاست دان اور سپہ سالار وہ نہیں جو صرف میدانِ جنگ میں دشمن کو شکست فاش سے دو چار کر دے، بلکہ در حقیقت اصل کام یاب سیاست دان اور سپہ سالار وہ ہے جو میدان مکالمہ میں ایسی شرائط منوا کر اور مان کر صلح کرے، جس کے بعد کامیابیوں اور فتوحات کے راستے ہموار ہو جائیں اور پورا معاشرہ امن و سکون کا گہوارا بن جائے اسی طرح تھوڑے ہی عرصے میں اس صلح کے ثمرات ملک، قوم اور ملت بلکہ آنے والی نسلوں تک پہنچیں کیونکہ بسا اوقات میدان جنگ میں فتح پانے والے میدان مکالمہ میں ایسی مات کھا جاتے ہیں کہ صدیوں تک ان کی فوج اور قوم سنبھالے نہیں سنبھل سکتی۔ پستی، ذلت، رسوائی اور شکست اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے اور میدان جنگ میں فتح ان کے لیے کوئی قابلِ فخر بات نہیں رہتی۔ اس لیے جس بیدار مغزی، دور اندیشی اور چستی کی ضرورت میدان جنگ میں ہوتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر میدان مکالمہ میں بیدار مغزی، دور اندیشی اور چستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں اور دوستوں کے ساتھ کئی معاہدہ کئے اور تمام کے تمام کامیاب ہوئے کیونکہ آپ ﷺ جتنے بھی معاہدہ کئے وہ سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو کامیاب بنا دیا۔

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام بھی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کے علم کے وارث اور باب مدینہ علم ہونے کی حیثیت سے کامیاب صلح کی اہمیت اور شرائط کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس میں کامیابی کے زیادہ سے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر مالک اشتر کو لکھے ہوئے عہد نامے میں دشمن کے ساتھ صلح اور اس کی شرائط، طریقہ کار اور معاہدوں کی اہمیت اور ان کے اخلاقی پہلوؤں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: وَ لَا تَدْفَعَنَّ صُلْحاً دَعَاكَ إِلَيْهِ عَدُوُّكَ۔ (23) یعنی: "صلح کی دعوت کو کسی بھی صورت میں نہ ٹھکرانا اگر دشمن تمہیں صلح کی دعوت دے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب بھی دشمن صلح پر آمادہ ہو تو اس کے ساتھ صلح کی جائے کیونکہ جنگ کسی بھی صورت مسئلے کا حل نہیں ہوتی بالاخر صلح کی میز پر جمع ہونا ہوتا ہے اور اسلام بنیادی طور پر جنگ کا خواہاں ہے ہی نہیں، وہ امن اور سلامتی چاہتا ہے، لہٰذا جب بھی دشمن صلح کی دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کیا جائے اور اس کے ساتھ صلح کیا جائے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلح کی دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیتے

ہوئے ارشاد فرمایا ہے: وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ (24) یعنی: "اور (اے رسول) اگر وہ صلح و آشتی کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی مائل جائیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے یقیناوہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔"

صلح کی شرائط

پس دشمن کی صلح کی دعوت کو قبول کیا جائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے اور دشمن سے بے خوف و خطر ہو کر غافل نہ ہو جائے بلکہ دشمن سے باخبر رہے۔ پس دشمن کے ساتھ صلح بھی ایسی ہو کہ جس میں خداوند متعال کی خوشنودی شامل حال ہو۔ اس کے متعلق امام علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ فِيهِ رِضًا ۔(25) یعنی: "صلح ایسی ہو کہ جس میں اللہ کی رضا ہو۔"

اسی طرح قرآن کریم میں بھی ارشاد رب العزت ہے: ''لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔'' (26) ترجمہ: "ان لوگوں کی بیشتر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی صدقہ، نیکی یا لوگوں میں اصلاح کی تلقین کرے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے ایسا کرے تو اسے عنقریب ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ صدقہ، نیکی اور صلح ایسا ہو کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم عطا ہوتا ہے۔ اگر اسی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی نہ ہو تو اس میں کسی قسم بھلائی اور خیر نہیں ہوتا۔ پس صلح ایسی ہو کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

اسی طرح سورہ النسا میں ایک اور مقام پر ارشاد ہے: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔ (27) ترجمہ "صلح تو بہر حال بہتر ہی ہے اور ہر نفس کو بخل کے قریب کر دیا گیا ہے لیکن تم نیکی کرو اور تقوی اختیار کرو تو اللہ تمہارے سارے اعمال سے یقینا خوب باخبر ہے۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ صلح ہر حال میں بہتر ہے، کیونکہ اس میں امن و سلامتی ہوتی ہے، فتنہ و فساد سے معاشرہ محفوظ رہتا ہے۔ اس آیت میں صلح کی شرائط میں سے ایک اہم شرط کا ذکر ہوا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ اللہ کو ناراض کر کے دشمن کے ساتھ صلح کر لیں۔ پس اگر صلح ایسی ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہو تو اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

صلح کے فوائد

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام صلح کے فائدے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فَإِنَّ فِي الصُّلْحِ دَعَةً لِجُنُودِكَ وَرَاحَةً مِنْ هُمُومِكَ وَأَمْناً لِبِلَادِكَ۔ (28)

یعنی: "صلح میں تمہارے لشکر کے لیے آرام و راحت ہے اور خود تمہارے لیے فکروں سے نجات اور شہروں کے لیے امن اور امان کا سامان ہے۔"

اس میں صلح کے چار فوائد بیان ہوئے ہیں:

1. لشکر کا آرام و راحت
2. حاکم و سردار کے لیے فکر سے نجات
3. شہروں کا امن و امان

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صلح میں آرام و راحت ملتی ہے کیونکہ جنگ کی صورت میں دونوں اطراف میں کشیدگی اور اور لڑائی و جھگڑا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے لشکر کو سکون و راحت نہیں ہوتا اور نہ ہی حکومت کو اس کے ساتھ پوری ملت بھی پریشانی میں مبتلا ہوتی ہے۔ ہر طرف بے اطمینانی اور بے چینی ہوتی ہے لہٰذا جب صلح ہوگی تو اس کی وجہ سے لشکر کو آرام و راحت ملے گا اور حکومت بھی اطمینان و سکون میں ہوگی۔ اسی طرح ملکی حدود میں بھی امن و امان قائم ہوگا اور عوام کو بھی آرام و راحت میسر ہوگا۔ جس کی وجہ ملک و ملت ترقی کی راہ پر گامزن ہوں گے، ملک میں خوشحالی آئے گی، راستے پُر امن ہو جائیں گے۔

صلح کے بعد چوکس ہونا

ایسا بھی نہ ہو کہ دشمن سے صلح کرنے کے بعد بے خوف و خطر ہو کر بیٹھ جائیں کیونکہ صلح کے بعد دشمن کے حملوں کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: وَلَكِنِ الْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ عَدُوِّكَ بَعْدَ صُلْحِهِ فَإِنَّ الْعَدُوَّ رُبَّمَا قَارَبَ لِيَتَغَفَّلَ فَخُذْ بِالْحَزْمِ وَ اتَّهِمْ فِي ذَلِكَ حُسْنَ الظَّنِّ۔ (29) یعنی: "لیکن صلح کے بعد دشمن سے خوب چوکس، خوب ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے، صلح کی راہ سے اس نے تقرّب اس لیے حاصل کیا ہو کہ بے خبری میں تم پر ٹوٹ پڑے لہٰذا بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے اس معاملے میں حسن ظنّ سے کام نہیں چل سکتا۔"

پس جب دشمن سے صلح ہو جائے تو اس کے بعد اس سے پہلے سے زیادہ ہوشیار و چوکس رہنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات دشمن صلح کرتا ہی اسی لیے ہے کہ وہ اس سے اپنے حریف کو غافل بنا کر مکاری اور فریب کاری سے حملہ کردے، جس کے نتیجے میں بہت بڑا ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، لہٰذا جب دشمن سے صلح ہو جائے تو حسن ظن سے کام لیے ہوئے بے خبر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ دشمن کی ہر چال پر کڑی نظر ہونی چاہیے، تاکہ آنے والے خطرات سے اپنی قوم و ملک کو محفوظ بنایا جاسکے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے نبی کریم ﷺ کو دشمن کی طرف سے دھوکہ دہی سے ہوشیار کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ۔ (30)

یعنی: "اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو آپ کے لیے یقینا اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعے آپ کو قوت بخشی ہے۔"

اس آیت میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر دشمن سے صلح کی جائے اور وہ صلح کرنے کے بعد اس کو توڑ دے تو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے کیونکہ صلح بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مرضی کے لیے کی گئی تھی۔ لہٰذا اب مدد بھی وہی کرے گا پس اسی ذات پر بھروسہ کیا جائے اور وہی مدد و نصرت کرنے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر بھی ارشاد گرامی ہے: وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ (31)

ترجمہ: "اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں تو اس سے پہلے وہ اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں پس اس نے انہیں آپ کے قابو میں کر دیا اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ وعدہ خلاف کفار کا شیوہ ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی کہ ایمان لانے کی بجائے کفر پر ڈٹے رہے اور اہل ایمان کو اذیتیں دیتے رہے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ گئے وعدہ اور صلح کی مخالفت کریں اور وعدہ خلافی کریں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پس ان کے ساتھ اگر معاہدہ اور صلح کیا جائے تو ان کی حرکتوں سے یکسر غافل نہیں ہونا چاہیے بلکہ دشمن کی تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھنی چاہیے۔

صلح کی پاسداری کرنا

صلح کرنے کے بعد اس کی پاسداری کرنا اسلامی حکومت کا اخلاقی فریضہ ہے۔ اس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَ إِنْ عَقَدْتَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ عَدُوِّكَ عُقْدَةً أَوْ أَلْبَسْتَهُ مِنْكَ ذِمَّةً فَحُطْ عَهْدَكَ بِالْوَفَاءِ وَ ارْعَ ذِمَّتَكَ بِالْأَمَانَةِ۔ (32) یعنی: " اگر آپ کے اور آپ کے دشمن کے درمیان کوئی معاہدہ طے پا یا ہو یا اسے اپنے دامن میں پناہ دی ہو تو پھر عہد کی پابندی کرو اور وعدہ کا لحاظ رکھو۔"

اس قول میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب صلح ہو جائے تو اس کی تمام شرائط کی پاسداری کرنا فرض بن جاتا ہے کیونکہ اگر ان شرائط کی پاسداری نہ کی گئی تو یہ وعدہ خلافی ہو جاتی ہے اور اسلام نے وعدہ خلافی کرنے کو بے دینی سے تشبیہ دی ہے۔ اس کے متعلق ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عَنْ عَلِيٍّ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَ لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ۔ (33)

یعنی: "حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جو امانت کا خیال نہ رکھے۔ اور اس کا کوئی دین نہیں جو وعدہ وفا نہ کرے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص وعدہ وفا نہیں کرتا وہ بے دین ہے، جو بے دین ہو اس کا کوئی اعتبار اور اعتماد نہیں ہوتا۔ اسی لیے اسلام اپنے پیروکاروں کو وعدہ وفائی کا حکم دیتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی خوبی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوبی کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ (34) ترجمہ: "بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو حق کہا ہے: فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَق۔ (35) ترجمہ: "پس صبر کر بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔"

ان دونوں آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، لہٰذا صاحبان کا فرض بنتا ہے کہ وہ جو بھی عہد اور قول و قرار کریں تو اس کو پورا کریں اور وعدہ خلافی نہ کریں۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام صلح کی پاسداری کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: وَاجْعَلْ نَفْسَكَ جُنَّةً دُونَ مَا أَعْطَيْتَ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ شَيْءٌ النَّاسُ

أَشَدُّ عَلَيْهِ اجْتِمَاعاً مَعَ تَفَرُّقِ أَهْوَائِهِمْ وَ تَشَتُّتِ آرَائِهِمْ مِنْ تَعْظِيمِ الْوَفَاءِ بِالْعُهُودِ وَ قَدْ لَزِمَ ذَلِكَ الْمُشْرِكُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ دُونَ الْمُسْلِمِينَ لِمَا اسْتَوْبَلُوا مِنْ عَوَاقِبِ الْغَدْرِ فَلَا تَغْدِرَنَّ بِذِمَّتِكَ وَ لَا تَخِيسَنَّ بِعَهْدِكَ۔ (36)

یعنی: " اور اپنے قول و اقرار کی حفاظت کے لیے اپنی جان کو سپر بنا دو، کیونکہ اللہ کے فرائض میں سے وعدہ کی وفا جیسی کوئی اور چیز نہیں کہ جس کی اہمیت پر دنیا اپنے الگ الگ نظریوں اور مختلف رایوں کے باوجود یکجہتی سے متفق ہو۔ مسلمانوں کے علاوہ مشرکوں نے بھی اپنے درمیان معاہدوں کی پابندی کی ہے۔ اس لیے کہ عہد شکنی کے نتیجہ میں انہوں نے تباہیوں کا اندازہ کیا تھا۔ لہٰذا اپنے پیمان میں غداری نہ کرنا اور نہ ہی اپنے عہد میں بد عہدی کرنا۔"

اس سے عہد و میثاق کی پابندی کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اس طرح کہ اس کو اپنی جان تک دینی پڑے تو دی جائے لیکن وعدہ کی خلاف ورزی نہ کی جائے کیونکہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے وعدہ وفائی کو اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فریضہ سمجھا ہے، جس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قومیں تباہ ہوئی ہیں، لہٰذا صلح کرنے کے بعد اس کی پاسداری کرنا انسان پر فرض ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: أَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذا عاهَدْتُمْ وَ لا تَنْقُضُوا الْأَيْمانَ بَعْدَ تَوْكِيدِها وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ ما تَفْعَلُون۔ (37) ترجمہ: "اور جب تم عہد کرو تو اللہ سے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو، جو کچھ تم کرتے ہو یقینا اللہ اسے جانتا ہے۔"

صلح کے بعد دشمن پر حملہ کرنا بڑا جرم ہے

پس اسلام اس بات کی کبھی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اپنے دشمن کے ساتھ صلح کرنے کے بعد اس کو توڑا جائے بلکہ ہر حال میں اس کی پاسداری کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن پر اچانک حملہ کیا جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر جرائت کے مترادف ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دشمن پر اسی طرح اچانک حملہ کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: وَ لَا تَخْتِلَنَّ عَدُوَّكَ فَإِنَّهُ لَا يَجْتَرِئُ عَلَى اللَّهِ إِلَّا جَاهِلٌ شَقِيٌّ۔ (38) یعنی: " اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہ کرنا، کیونکہ اللہ پر جرأت جاہل بدبخت کے علاوہ دوسرا نہیں کر سکتا۔"

صلح کی پاسداری رحمت ہے

حضرت علی علیہ السلام صلح کی پاسداری کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھتے ہیں: وَ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ عَهْدَهُ وَ ذِمَّتَهُ أَمْناً أَفْضَاهُ بَيْنَ الْعِبَادِ بِرَحْمَتِهِ وَ حَرِيماً يَسْكُنُونَ إِلَى مَنَعَتِهِ وَ يَسْتَفِيضُونَ إِلَى جِوَارِهِ۔ (39) یعنی: "اللہ نے عہد و پیمان کی پابندی کو امن کا پیغام قرار دیا ہے کہ جسے اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا ہے اور ایسی پناہ گاہ بنایا ہے کہ جس کے دامن میں پناہ لیتے اور اور اس کے جوار میں منزل کرنے کے لیے وہ تیزی سے بڑھتے ہیں۔"

صلح میں دھوکہ بازی نہ ہو

صلح ایسی صاف و شفاف ہو کہ اس میں دھوکہ بازی اور جعلسازی کا شبہ بھی نہ ہو اور نہ ہی اس میں مشتبہ الفاظ لکھے ہوئے ہوں۔ اس بات کا حکم دیتے ہوئے مالک اشتر کو حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: فَلَا إِدْغَالَ وَ لَا مُدَالَسَةَ وَ لَا خِدَاعَ فِيهِ وَ لَا تَعْقِدْ عَقْداً تُجَوِّزُ فِيهِ الْعِلَلَ وَ لَا تُعَوِّلَنَّ عَلَى لَحْنِ قَوْلٍ بَعْدَ التَّأْكِيدِ وَ التَّوْثِقَةِ۔ (40) پس اس میں کوئی جعلسازی، فریب کاری اور مکاری نہ ہونا چاہیے، اور ایسا کوئی معاہدہ کرو ہی نہیں جس میں تاویلوں کی ضرورت پڑنے کا امکان ہو، اور معاہدہ کے پختہ اور طے ہو جانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ کے دوسرے معنی نکال کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب معاہدہ کیا جائے تو اس کے الفاظ بالکل واضح ہونے چاہییں، اس طرح کہ اس میں کسی قسم کی تاویل کی کوئی گنجائش بھی نہ ہو۔ اس کے بعد کسی طرح بھی اس کو توڑنے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ یہ دھوکہ دہی اور جعلسازی ہے، جو اسلام میں انتہائی ناپسند ہے۔ پس جب معاہدہ کیا جائے تو اس کو ہر حال میں پورا کیا جائے چاہے کتنا ہی دشواری کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے تب بھی معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہیے۔ اسی بات کا حکم دیتے ہوئے امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: وَ لَا يَدْعُوَنَّكَ ضِيقُ أَمْرٍ لَزِمَكَ فِيهِ عَهْدُ اللَّهِ إِلَى طَلَبِ انْفِسَاخِهِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (41) یعنی: "اس عہد و پیمان خداوندی میں کسی دشواری کا محسوس ہونا تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہونا چاہیے کہ تم اسے ناحق منسوخ کرنے کی کوشش کرو۔"

کیونکہ: فَإِنَّ صَبْرَكَ عَلَى ضِيقِ أَمْرٍ تَرْجُو انْفِرَاجَهُ وَ فَضْلَ عَاقِبَتِهِ خَيْرٌ مِنْ غَدْرٍ تَخَافُ تَبِعَتَهُ وَ أَنْ تُحِيطَ بِكَ مِنَ اللَّهِ فِيهِ طِلْبَةٌ لَا تَسْتَقْبِلُ فِيهَا دُنْيَاكَ وَ لَا آخِرَتَكَ۔ (42) یعنی: "کسی ایسی دشواری کو جھیل جانا کہ جس سے چھٹکارے

کی اور انجام بخیر ہونے کی امید ہو، اس بد عہدی کرنے سے بہتر ہے، جس کے برے انجام کا تمہیں خوف ہو کہ اللہ کے ہاں تم سے اس پر کوئی جوابدہی ہوگی اور اس طرح تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی تباہی ہو گی۔"

دشمن کو برا بھلا نہ کہنا

حضرت علی علیہ السلام اپنے فوج کو منع کرتے ہیں کہ وہ دشمن کو برا بھلا نہ کہیں: اِنّی اکرہُ لکم ان تکونوا سبّابینَ وَلکنّکمْ لو وَصَفْتمْ اَعمالَهمْ وَ ذکرْتُم حالَهُم کانَ اصْوبَ فی القَولِ و اَبْلَغَ فی العُذْرِ۔ (43) یعنی: "میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے والے اور برا بھلا کہنے والے بن جاؤ۔ اگر تم ان کے اعمال و کردار پر اعتراض کرتے اور انہیں ان کے بداعمالیوں کی طرف متوجہ کرتے تو بھلائی اور ثواب سے زیادہ نزدیک ہوتے اور تمہارا اعتراض بھی بجا ہوتا۔"

دنیا میں ایسا کون سا حاکم ہے جو اپنے دشمن کی بھی ہدایت کا خواہاں ہو۔ یہ صرف آل محمد علیہم السلام کا ہی گھرانا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے ان فوجیوں کو جو دشمن کی فوج کو گالیاں دے رہے تھے ان کو فرمایا کہ اگر وہ اس فوج کے افراد کو ان کے برے اعمال و کردار پر اعتراض کرتے اور ان کی ہدایت کرے تو بہتر ہوتا اور اجر عظیم کے بھی مستحق قرار پاتے۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام انہیں اس فعل سے منع کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی اور اپنے دشمن کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا حکم بھی دیتے ہیں:

صلح کے لیے دعا مانگنا

اپنی فوج کو صلح کے لیے دعا مانگنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: و قلْتمْ مَکانَ سبّکم ایّاہُمْ: اللّٰهمّ احْقِنْ دمائَنا و دِمائَهم وَاصْلِحْ ذاتَ بینَنا و بینَهُمْ واہْدِہِمْ مِنْ ضَلالَتِهم حتّٰی یَعرِفَ الحقَّ مَنْ جَهِلهٗ ویرعَوِیَ عَنِ الغیِّ والعُدْوانِ مَنْ لَهِجَ بِہ۔ (44)

یعنی: "تم لوگ بجائے انہیں گالیاں دینے کے یہ کہتے: خداوندا! ہماری اور ان کی جانون کی حفاظت فرما۔ ہمارے اور ان کے درمیان صلح و صفا برقرار کر۔ انہیں گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کردے تاکہ جو حق کو نہیں پہچانتے پہچان لیں اور عداوت و گمراہی سے باز آجائیں۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان اپنے ساتھ ساتھ اپنے دشمن کی جان کی حفاظت بھی دعا کرتا رہے کیونکہ وہ بھی تو ایک انسان ہے۔ اسی طرح اس کی ہدایت کے لیے بھی دعا کرتا رہے تاکہ معاشرہ سے جو اس کی گمراہی کی وجہ سے فتنہ و فساد تھا اس کا خاتمہ ہو جائے۔

*****

حوالہ جات

1۔ کلینی، محمد بن یعقوب (المتوفی: 329 ق) الکافی، دار الکتب الإسلامیۃ تہران، طبع: 1407 ق، ج ۵، ص ۲۸

2۔ نہج البلاغہ، مکتوبات: وصیت ۴۷

3۔ لویس معلوف الیسوعی، المنجد مادہ صلح

4 ۔ فرہنگ بزرگ جامع نوین عربی سے فارسی

5۔ لویس معلوف الیسوعی، المنجد مادہ سلم

6۔ ابن منظور، محمد ابن مکرم علی ابن احمد الانصاری، لسان العرب، دار الاحیا التراث العربی للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت لبان ۱۹۸۸م ج د ۱۰، ص ۲۶۱ه، مادہ فسد، (طبعۃ جدیدۃ محققہ الطبعۃ الاولیٰ)

7۔ لویس معلوف الیسوعی، المنجد مادہ فسد

8۔ خلیل الجر لاروس، معجم العربی الحدیث، لاروس کنیدا، ۱۹۷۳م صفحہ ۹۰۸، مادہ فسد

9۔ ڈاکٹر عارف اللہ پی ایچ ڈی تھیسز، ''اسلام اور دیگر ابراہیمی مذاہب کی اساسی نصوص کے تناظر میں انسداد فساد اور اقامت امن کا تقابلی مطالعہ صفحہ ۸۸)

10۔ راغب اصفہانی، الحسین بن محمد بن المفضل، المفردات فی غریب القرآن، الناشر نور محمد، اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۹۶۱، صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۷ زیر مادہ فسد

11۔ ڈاکٹر عارف اللہ پی ایچ ڈی تھیسز، صفحہ ۸۹

12۔ ابن تیمیہ، تقی الدین ابی العباس احمد ابن تیمیہ، کتاب الایمان، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۲۵ھ، صفحہ ۳۳، باب لفرق بین الاسلام والایمان، فصل ومن ہذا الباب الصلاح والفساد

13 ۔ ڈاکٹر عارف اللہ پی ایچ ڈی تھیسز، صفحہ ۸۹

14۔ ایضا صفحہ ۸۹

15۔ البخاری امام ابو عبد اللہ اسماعیل، الصحیح البخاری، کتاب صلح، باب لیس الکاذب یصلح بین الناس، جلد ۴، صفحہ ۱۷۲ اردو مترجم مولانا محمد داؤد راز، ناشر: مرکزی جمعیت الہ حدیث ہند، سن طباعت ۲۰۰۴م

16۔ الکافی، جلد ۲، صفحہ ۲۱۰

17۔ مفتی جعفر حسین (مترجم)، نہج البلاغہ، ناشر: معراج کمپنی اردو بازار لاہور پاکستان، طبع: سوم ۲۰۱۳م، خطبہ ۵۵

18۔ البقرہ: ۲۰۸

19۔ الحجرات: ۹

20۔ مفتی جعفر حسین (مترجم)، نہج البلاغہ، ناشر: معراج کمپنی اردو بازار لاہور پاکستان، طبع: سوم ۲۰۱۳م، وصیت ۴۷، صفحہ ۵۷۷

21۔ طوسی، محمد بن الحسن، (460ق) الأمالی (للطوسی)، ناشر: دار الثقافۃ، قم ایران، سال طبع: 1414ق، طبع: اول صفحہ ۵۲۲

22۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی بن الضحاک (المتوفی: 279ھ)، "الجامع الصحیح، المشہور باسم سنن الترمذی"، "ناشر: دار الفکر، بیروت۔ لبنان، طبع سال 2000م، الذبائح، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ، باب، حدیث: 2509؛/ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات البین، حدیث: 4919،

23۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳، صفحہ ۵۹۸

24۔الانفال: ٦١

25۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳، صفحہ ۵۹۸

26۔النساء: ۱۱۴

27۔النساء: ۱۲۸

28۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳، ص۵۹۸)

29۔ایضا

30۔انفال: ٦٢

31۔انفال: ۱۷

32۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳، ص۵۹۸

33۔ابن اشعث، محمد بن محمد، (المتوفی: ۴ھ)، ''الجعفریات''، ناشر: مکتبۃ النبوی الحدیثۃ، تہران ایران،، ص ۳٦٥

34۔آل عمران: ۹

35۔الروم: ٦٠

36۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳، ص۵۹۸

37۔النحل: ۹۱

38۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳، ص۵۹۸

39۔ایضاً

40۔ایضاً

41۔ایضاً، ص۵۹۹

42۔ایضاً

43۔ایضاً، خطبہ ۲۰۴، ص۴۴۸

44۔ایضاً